صریرخامہ
SAREER A KHAMA
TAFHEEM RESEARCH CENTRE
Category Y
ISSN Online: 3005-947X
ISSN Print: 3005-9461
Vol: 05, Issue 01 (Jan-March 2026)

حبیب جالب اور مارکسزم: اردو نظم کے تناظر میں ایک تحقیقی مطالعہ

Habib Jalib and Marxism: A Research Study in the Context of Urdu Poetry

Khuda Bukhsh
Ph.D Scholar Urdu, National College of Business and Administration &Economics Sub campus Bahawalpur
masterkhudabukhsh230@gmail.com

Dr. Aamra Rasool
Professor, Department of Urdu, National College of Business and Administration &Economics, Sub campus Bahawalpur
aamrapsychologist9@gmail.com

Abstract:
The Progressive Writers' Movement brought a fundamental transformation in the themes, direction, and purpose of Urdu literature by shifting its focus from romantic idealism to social reality. In contrast to the romantic tradition, progressive writers emphasized the struggles of ordinary people, highlighting issues such as poverty, inequality, exploitation, and social injustice. Influenced by socialist and Marxist thought, the movement sought to promote social consciousness and advocate for the rights of marginalized communities. Among the most influential voices of this movement was Habib Jalib, whose poetry became a powerful expression of resistance against oppression and authoritarian rule. Like Nazir Akbarabadi, Jalib wrote for the common people; however, his poetry went beyond depicting their lives by directly challenging the political elite and exposing the unequal distribution of wealth and power. Throughout his literary career, he consistently condemned social discrimination, economic exploitation, and political repression. Despite repeated imprisonment during periods of military dictatorship, Jalib remained steadfast in his commitment to truth and justice, using poetry as a means of protest and public resistance. Jalib's famous poem, "Aise Dastoor Ko, Subh-e-Be-Noor Ko, Main Nahin Manta," continues to resonate in contemporary political discourse and is frequently quoted during political movements and election campaigns as a symbol of defiance against injustice. His poetry transcends personal emotion, functioning instead as a collective voice of resistance and social transformation. This study examines the influence of Marxist thought on Habib Jalib's poetry and explores the extent to which his literary vision reflects the principles of Marxism, particularly with regard to class struggle, social equality, and opposition to exploitation.

Keywords: *Progressive Movement, Marxism, Socialism, Dictatorship*

تعارف:

اردو ادب میں ترقی پسند تحریک نے بیسویں صدی کے وسط میں سماجی، معاشی اور سیاسی شعور کو نئی جہت عطا کی۔ اس تحریک کے نمایاں شعرا میں حبیب جالب کا نام خصوصی اہمیت رکھتا ہے۔ جالب نے اپنی نظموں کے ذریعے استحصالی طبقاتی نظام، سرمایہ دارانہ معاشرت، جاگیرداری، آمریت اور سامراجی قوتوں کے خلاف مؤثر آواز بلند کی۔ اگرچہ انہوں نے خود کو کسی نظریاتی جماعت کی حدود میں مقید نہیں کیا، تاہم ان کی شاعری میں مارکسی نظریات خصوصاً طبقاتی جدوجہد، معاشی مساوات، عوامی حاکمیت اور استحصالی نظام کی مخالفت واضح طور پر موجود ہے۔

"میں بھی خائف نہیں تختہ دار سے
میں بھی منصور ہوں کہہ دو اغیار سے
کیوں ڈراتے ہو زندان کی دیوار سے
ظلم کی بات کو ،جہل کی رات کو
میں نہیں مانتا ،میں نے نہیں مانتا"(1)

ادیب اپنے عہد کے معاشرتی، سیاسی اور معاشی حالات کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ جب کسی معاشرے میں استحصال، طبقاتی ناہمواری اور سیاسی جبر شدت اختیار کرتے ہیں تو ادیب اور شاعر اپنے فن کے ذریعے ان حالات پر ردعمل ظاہر کرتے ہیں۔ اردو نظم میں ترقی پسند تحریک نے اسی شعور کو منظم شکل دی، جس کے نتیجے میں ایسے شعرا سامنے آئے جنہوں نے عوامی مسائل کو اپنی تخلیقات کا موضوع بنایا۔ حبیب جالب ان نمایاں شعرا میں شامل ہیں جنہوں نے اپنی شاعری کو عوامی مزاحمت کی علامت بنادیا۔

"یہ ملیں یہ جاگیریں کس کا خون پیتی ہیں
بیرکوں میں یہ فوجیں کس کے بل پہ جیتی ہیں
کس کی محنتوں کا پھل داشتائیں کھاتی ہیں
جھونپڑوں سے رونے کی کیوں صدائیں آتی ہیں"(2)

جالب کی نظموں میں آزادی، مساوات، انصاف، محنت کش طبقے کے حقوق، آمریت کی مخالفت اور استحصالی قوتوں کے خلاف مزاحمت بنیادی موضوعات ہیں۔ یہی عناصر مارکسی ادبی تنقید کے بھی بنیادی اجزاء تصور کیے جاتے ہیں، اس لیے ان کی شاعری کا مارکسی مطالعہ اردو نظم کی فکری جہات کو سمجھنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

"کھیت وڈیروں سے لے لو
ملیں لٹیروں سے لے لو
ملک اندھیروں سے لے لو"(3)

مارکسزم انیسویں صدی میں کارل مارکس اور فریڈرک اینگلز کے پیش کردہ سماجی، معاشی اور سیاسی نظریات کا مجموعہ ہے۔ اس نظریے کی بنیاد اس تصور پر قائم ہے کہ انسانی تاریخ دراصل طبقاتی کشمکش کی تاریخ ہے۔ ہر معاشرے میں ایک ایسا طبقہ موجود ہوتا ہے جو ذرائع پیداوار پر قابض ہوتا ہے جبکہ دوسرا طبقہ اپنی محنت فروخت کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ اسی تضاد سے استحصالی نظام جنم لیتا ہے۔ کارل مارکس لکھتے ہیں

"یہ اس ملک کی دولت کے حوالے سے معاملے کی صورتحال ہے مجھے ایک کے لیے کہنا چاہیے میں دولت اور طاقت کے اس نشے اور اضافے کو تقریباً خوف اور درد کے ساتھ دیکھوں گا اگر یہ میرا عقیدہ تھا کہ یہ ان طبقہ تک محدود ہے جو اسان حالات میں یہ مزدور آبادی کی حالت کا کوئی ادراک نہیں کرتا"(4)

برصغیر میں ترقی پسند تحریک نے ادب کو محض حسن و عشق کے دائرے سے نکال کر عوامی مسائل سے جوڑا۔ اس تحریک کے ادیبوں اور شاعروں نے سرمایہ دارانہ استحصال، سامراج، جاگیرداری، مذہبی انتہاپسندی اور آمریت کے خلاف قلم اٹھایا۔

اردو نظم میں اس تحریک کے نمایاں شعرا میں فیض احمد فیض، مخدوم محی الدین، ساحر لدھیانوی، سردار جعفری، احمد ندیم قاسمی اور حبیب جالب شامل ہیں۔ ان شعرا نے انسان دوستی، معاشی انصاف اور سماجی مساوات کو اپنی شاعری کا بنیادی موضوع بنایا۔

حبیب جالب اگرچہ ترقی پسند تحریک کے بعد نمایاں ہوئے، لیکن ان کی شاعری میں ترقی پسند فکر اپنی مکمل توانائی کے ساتھ موجود ہے۔ انہوں نے نظریات کو محض فلسفیانہ مباحث تک محدود نہیں رکھا بلکہ انہیں عوامی جدوجہد سے وابستہ کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی نظمیں جلسوں، احتجاجوں اور عوامی تحریکوں کی آواز بن گئیں۔

"جینے کا حق سامراج نے چھین لیا
اٹھو مرنے کا حق استعمال کرو
ذلت کے جینے سے مرنا بہتر ہے
مٹ جاؤ یا قصر ستم پامال کرو"(5)

حبیب جالب کی شخصیت ایسے سیاسی اور سماجی ماحول میں پروان چڑھی جہاں نوآبادیاتی نظام کے اثرات، تقسیمِ ہند کے المیے اور پاکستان میں ابھرتی ہوئی طبقاتی ناہمواری نے حساس اہلِ قلم کو گہرے طور پر متاثر کیا۔ انہی حالات نے جالب کے اندر ایسا انقلابی شعور پیدا کیا جو بعد ازاں ان کی نظموں میں بھرپور انداز سے سامنے آیا۔

"یہ جواں فکر تمہیں خون نہ پینے دے گی
غاصبو! اب نہ تمہیں چین سے جینے دے گی"(6)

ابتدائی دور ہی سے جالب نے مزدور، کسان، غریب اور محروم طبقے کے مسائل کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔ ان کے نزدیک شاعر کا اصل فرض اقتدار کی مدح سرائی نہیں بلکہ مظلوم انسان کی آواز بننا تھا۔ یہی نظریہ بعد میں ان کی پوری شاعری کا مرکزی وصف بن گیا اور یہی وہ مقام ہے جہاں ان کی فکر مارکسی ادبی تصور سے ٹکراتی ہے۔

"ان کو فرصت ہے بہت اونچے امیروں کے لیے
ان کے ٹیلی فون قائم ہیں سفیروں کے لیے
وقت ان کے پاس کب ہے ہم فقیروں کے لیے
چھو نہیں سکتے انہیں ہم، ان کا اونچا ہے مقام"(7)

حبیب جالب کی شاعری کو سمجھنے کے لیے ان کے عہد کے سیاسی، سماجی اور معاشی حالات کا مطالعہ لازم ہے۔ جالب نے برصغیر کی تقسیم، ہجرت، غربت، معاشی ناہمواری، فوجی آمریت اور عوامی حقوق کی پامالی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ یہی تجربات ان کے شعری شعور کی بنیاد بنے۔ ناقدین کا اتفاق ہے کہ جالب کی شاعری ترقی پسند فکر، سوشلسٹ رجحان اور عوامی مزاحمت کی نمایندہ شاعری ہے، اگرچہ وہ کسی نظریاتی سانچے میں خود کو محدود کرنے کے قائل نہیں تھے۔

"وہی سر پر مسلط ہے شب غم
اندھیرے ہر طرف چھائے ہوئے ہیں
نہیں ملتی خوشی کی اک کرن بھی
مہ و خورشید گہنائے ہوئے ہیں
یہ کس بستی میں ہم آئے ہوئے ہیں"(8)

پاکستان آنے کے بعد حبیب جالب نے مختلف اخبارات میں بطور پروف ریڈر کام کیا۔ بعد ازاں وہ کسان اور مزدور تحریکوں سے بھی وابستہ رہے۔ اسی دور میں ان کے اندر طبقاتی شعور مزید گہرا ہوا اور ان کی شاعری میں محنت کش طبقے کی نمائندگی نمایاں ہوتی گئی۔

"جان لیا اے اہل کرم تم ٹولی ہو عیاروں کی
دست نگر کیوں بنکے رہے یہ بستی ہے خودداروں کی
ڈوبے ہوئے دکھ درد میں جب تک سانجھ سویرے ہیں
اپنی جنگ رہے گی"(9)

حبیب جالب ترقی پسند تحریک کے اولین ارا کین میں شامل نہیں تھے، لیکن ان کی فکری وابستگی اسی تحریک کے بنیادی اصولوں سے تھی۔ ترقی پسند تحریک کا مقصد ادب کو عوامی زندگی سے جوڑنا، استحصالی قوتوں پر تنقید کرنا اور سماجی انصاف کی حمایت کرنا تھا۔ جالب کی شاعری میں یہی عناصر نمایاں نظر آتے ہیں۔

"اصول بیچ کے مسند خریدنے والو
نگاہ اہل وفا میں بہت حقیر ہو تم
وطن کا پاس تمہیں تھا نہ ہو سکے گا
کہ اپنی حرص کے بندے ہو بے ضمیر ہو تم"(10)

ان کی نظموں میں کسان، مزدور، غریب، عورت اور محروم طبقہ محض علامت نہیں بلکہ حقیقی کردار کے طور پر سامنے آتا ہے۔ یہی خصوصیت مارکسی ادبی تنقید کا بنیادی معیار بھی ہے کہ ادب معاشرتی حقیقتوں کی ترجمانی کرے۔

"اب بھی پیٹ کی خاطر بک رہی ہے مجبوری
اب بھی ہے غریبوں کی اشک و آہ مزدوری
اب بھی جھونپڑی سے ہے نور علم کی دوری
آج بھی لبوں پر ہے داستان مہجوری"(11)

مارکسی فلسفے کے مطابق معاشرے کی اصل تقسیم دولت کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ سرمایہ دار طبقہ ذرائع پیداوار پر قابض ہوتا ہے جبکہ مزدور اپنی محنت بیچنے پر مجبور ہوتا ہے۔ جالب کی شاعری میں یہی تضاد بار بار سامنے آتا ہے۔ ان کی مشہور نظم "دستور" صرف ایک آئینی دستاویز پر اعتراض نہیں بلکہ اس طبقاتی نظام پر تنقید ہے جو چند مراعات یافتہ افراد کے مفادات کا تحفظ کرتا ہے۔ اس ضمن میں شاہد شیدائی لکھتے ہیں

"انہوں نے دن کو ہمیشہ دن اور رات کو سدا رات کہا شاہوں کے قصیدے کہنے کی بجائے عوام کے جذبات کی ترجمانی کرتے رہے جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے مفادات کے تحفظ کی بجائے کسانوں اور مزدوروں کی مدح سرائی میں مصروف رہے"(12)

مارکسی نقطۂ نظر سے اس ریاستی ڈھانچے پر تنقید کرتے ہیں جو اکثریت کی بجائے اشرافیہ کے مفادات کا محافظ بن جاتا ہے۔ "چند لوگوں" کی ترکیب دراصل اس حکمران اور سرمایہ دار طبقے کی علامت ہے جسے مارکس "بورژوازی" قرار دیتا ہے۔ مارکسزم صرف سرمایہ داری پر تنقید نہیں کرتا بلکہ عوامی اقتدار اور مساوات پر بھی زور دیتا ہے۔ جالب کی شاعری میں یہی تصور مختلف صورتوں میں سامنے آتا ہے۔ ان کے نزدیک اقتدار کا سرچشمہ عوام ہیں، نہ کہ فوجی آمریت یا سرمایہ دار طبقہ۔ اسی لیے وہ اپنی شاعری کو عوام کی آواز قرار دیتے ہیں اور ظلم کے خلاف مسلسل مزاحمت کرتے ہیں۔ ان کے ہاں انقلاب بندوق سے پہلے شعور کا نام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی نظموں میں عوام کو بیدار کرنے کا جذبہ نمایاں دکھائی دیتا ہے۔ بقول فارغ بخاری،

"استحصال گزیدہ عوام کو بیدار کرنے انہیں توہمات، جہالت اور بے حسی کے دلدل سے نکالنے اور ملک میں دوستی اور سماجی انقلاب لانے کے لیے جس اسم اعظم کی ضرورت ہے وہ شہروں اور ادیبوں کے سوا کسی کے پاس نہیں اور ان میں بھی وہ حبیب جالب کی طرح انقلابی شعور رکھتا ہو"۔(13)

جالب کی شاعری کو ترقی پسند اور مارکسی رجحان کی شاعری قرار دیتے ہیں۔ حبیب جالب کی فکری تشکیل کسی مجرد نظریاتی مطالعے کا نتیجہ نہیں بلکہ عملی سیاسی جدوجہد، عوامی تحریکوں اور معاشرتی مشاہدے کی پیداوار تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں مارکسزم

کتابی فلسفے کے بجائے ایک زندہ سماجی شعور کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ ان کی نظموں میں طبقاتی کشمکش، عوامی مزاحمت اور استحصالی نظام کے خلاف احتجاج اس انداز سے سامنے آتا ہے کہ وہ اردو نظم کی انقلابی روایت کے اہم ترین شاعر بن جاتے ہیں۔

مارکسی تنقید کے مطابق ادب کا بنیادی مقصد معاشرے کے طبقاتی تضادات کو آشکار کرنا اور استحصالی نظام کی حقیقت کو بے نقاب کرنا ہے۔ اس تناظر میں حبیب جالب کی شاعری محض احتجاج نہیں بلکہ ایک فکری اور نظریاتی مزاحمت بھی ہے۔ ان کی نظموں میں سرمایہ دار، جاگیردار، آمریت، بیوروکریسی اور استحصالی طبقہ ایک ایسے نظام کی نمائندگی کرتے ہیں جو محنت کش عوام کی محنت سے اپنی طاقت قائم رکھتا ہے۔ یہی تصور مارکس کے نظریۂ طبقاتی جدوجہد سے مطابقت رکھتا ہے۔ حبیب جالب کی نظم "دستور" اردو ادب کی سب سے مؤثر مزاحمتی نظموں میں شمار ہوتی ہے۔ یہ نظم 1962ء کے آئین کے خلاف لکھی گئی، لیکن اس کی معنویت صرف ایک سیاسی دستاویز تک محدود نہیں رہتی بلکہ پورے استحصالی نظام کی نفی کرتی ہے۔

جالب کہتے ہیں

د"یپ جس کا محلات ہی میں جلے
چند لوگوں کی خوشیوں کو لے کر چلے
وہ جو سائے میں ہر مصلحت کے پلے
ایسے دستور کو، صبحِ بے نور کو
میں نہیں مانتا، میں نہیں مانتا۔"(14)

ان اشعار میں "محلات" اور "چند لوگ" محض لفظی تراکیب نہیں بلکہ مارکسی اصطلاح میں حکمران اور سرمایہ دار طبقے کی علامت ہیں۔ جالب کے نزدیک وہ نظام قابلِ قبول نہیں جو قومی وسائل کو صرف اشرافیہ کے مفاد کے لیے استعمال کرے جبکہ اکثریت غربت، بے روزگاری اور محرومی کا شکار رہے۔ مارکسی تنقید کے مطابق ریاست اسی وقت طبقاتی ریاست بن جاتی ہے جب وہ سرمایہ دار طبقے کے مفادات کی محافظ بن جائے۔ جالب کی یہ نظم اسی حقیقت کی ادبی ترجمانی کرتی ہے۔

کارل مارکس کے نزدیک تاریخ کا اصل محرک حکمران طبقہ نہیں بلکہ محنت کش عوام ہوتے ہیں۔ حبیب جالب بھی اپنی شاعری میں عوام کو تبدیلی کی اصل قوت قرار دیتے ہیں۔ ان کے ہاں مزدور، کسان، طالب علم اور عام شہری صرف مظلوم کردار نہیں بلکہ مستقبل کے معمار ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں مایوسی کے بجائے مزاحمت اور امید کا عنصر غالب رہتا ہے۔ جالب کا انقلابی شعور عوام کو خاموش رہنے کی تلقین نہیں کرتا بلکہ ظلم کے خلاف آواز بلند کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ اسی وجہ سے ان کی نظمیں جلسوں، جلوسوں اور عوامی تحریکوں کا حصہ ہیں:

"اسی ادب نے عوام کو اور باشعور قاری کو اچھے اور برے میں افادی اور غیر افادی میں تمیز کرنا سکھایا اور اسی تحریک نے عوام کو اپنا حق پانے کے لیے ظالموں کے ظلم سے بچنے کے لیے سف آرا ہونے کی قوت بخشی"(15)۔

حبیب جالب سرمایہ داری کو صرف ایک معاشی نظام نہیں سمجھتے بلکہ اسے سماجی ناانصافی کی بنیاد قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک جب دولت چند ہاتھوں میں مرتکز ہو جائے تو معاشرے میں غربت، بے روزگاری، استحصال اور سیاسی جبر ناگزیر ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے ان کی شاعری میں بار بار ایسے کردار سامنے آتے ہیں جو محنت کرتے ہیں مگر ان کی محنت کا پھل دوسروں کو ملتا ہے۔ یہ تصور مارکس کے نظریۂ (قدرِ زائد) سے معنوی مطابقت رکھتا ہے، جس کے مطابق سرمایہ دار مزدور کی محنت سے اضافی منافع حاصل کرتا ہے۔

"یہ جو شب کے ایوانوں میں ایک ہلچل ایک حشر بپا ہے یہ جو اندھیرا سمٹ رہا ہے یہ جو اجالا پھیل رہا ہے"(16)

حبیب جالب کی نظموں کا مطالعہ واضح کرتا ہے کہ ان کی شاعری کا بنیادی محور عوامی زندگی، معاشی مساوات اور طبقاتی انصاف ہے۔ اگرچہ ان کا مقصد کسی نظریاتی مکتب کی تبلیغ نہیں بلکہ ظلم کے خلاف مزاحمت ہے، تاہم ان کے افکار میں مارکسی نظریات خصوصاً طبقاتی جدوجہد، سرمایہ دارانہ استحصال کی مخالفت اور عوامی اقتدار کا تصور نمایاں طور پر موجود ہے۔ اسی بنا پر جالب کی شاعری کو اردو کی انقلابی اور مزاحمتی نظم کی ایک مضبوط روایت قرار دیا جاتا ہے۔

حبیب جالب کی شاعری کا سب سے نمایاں وصف ظلم کے ہر مظہر کے خلاف بے باک مزاحمت ہے۔ انہوں نے اپنی شاعری کو محض جذباتی احتجاج تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے ایک فکری، سماجی اور سیاسی شعور میں تبدیل کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی نظموں میں آمریت، سرمایہ دارانہ استحصال، جاگیردارانہ بالادستی اور سامراجی اثرات کے خلاف مسلسل احتجاج ملتا ہے۔ مارکسی ادبی تنقید کے مطابق ادب اس وقت زیادہ مؤثر ہوتا ہے جب وہ معاشرے کے طبقاتی تضادات کو آشکار کرے۔ جالب کی شاعری اسی اصول کی عملی مثال پیش کرتی ہے۔

کارل مارکس کے مطابق ریاست ایک غیر جانب دار ادارہ نہیں بلکہ اکثر اوقات غالب معاشی طبقے کے مفادات کا تحفظ کرتی ہے۔ جب ذرائعِ پیداوار پر ایک محدود طبقے کی اجارہ داری قائم ہو جاتی ہے تو ریاستی ادارے بھی اسی طبقے کی طاقت کو برقرار رکھنے میں کردار ادا کرتے ہیں۔ حبیب جالب کی شاعری میں ریاست کے اسی کردار پر تنقید بار بار سامنے آتی ہے۔ ان کے نزدیک اگر ریاست عوام کو انصاف، روزگار، تعلیم اور آزادیِ اظہار فراہم نہ کرے تو وہ اپنی اخلاقی حیثیت کھو دیتی ہے۔ اسی لیے ان کی شاعری میں ریاستی جبر کے خلاف مزاحمت ایک مستقل موضوع ہے۔

پاکستان کی سیاسی تاریخ میں فوجی آمریتوں نے جمہوری اداروں کو کمزور کیا، اظہارِ رائے پر پابندیاں لگائیں اور سیاسی کارکنوں کو قید و بند کا سامنا کرنا پڑا۔ حبیب جالب نے ایسے ہر دور میں خاموشی اختیار کرنے کے بجائے مزاحمت کی راہ اپنائی۔ ان کی نظم "دستور" صرف ایک آئینی دستاویز پر تنقید نہیں بلکہ آمریت کے پورے سیاسی ڈھانچے کی نفی ہے۔ اسی طرح ان کی کئی نظمیں اس حقیقت کو اجاگر کرتی ہیں کہ جب اقتدار چند افراد کے ہاتھ میں مرتکز ہو جائے تو عوام کی آواز دب جاتی ہے۔

مارکسی تنقید اس صورتِ حال کو "طبقاتی اقتدار" کی ایک شکل قرار دیتی ہے، جہاں ریاستی طاقت عوامی مفاد کے بجائے مراعات یافتہ طبقے کے مفاد میں استعمال ہوتی ہے۔

جالب کی شاعری اس تصور کو نہایت مؤثر انداز میں ادبی پیکر عطا کرتی ہے۔ مارکسزم کے مطابق سرمایہ داری دولت کی غیر مساوی تقسیم کو فروغ دیتی ہے۔ اس نظام میں سرمایہ چند ہاتھوں میں جمع ہوتا جاتا ہے جبکہ محنت کش طبقہ اپنی بنیادی ضروریات سے بھی محروم رہتا ہے۔ حبیب جالب نے اپنی شاعری میں اس معاشی عدم توازن کو بار بار موضوع بنایا۔ ان کے نزدیک ایک ایسا معاشرہ جہاں محلات روشن ہوں لیکن مزدور کی جھونپڑی اندھیرے میں ڈوبی ہو، انصاف پر مبنی معاشرہ نہیں کہلا سکتا۔ یہی تضاد ان کی نظموں کی فکری بنیاد بنتا ہے۔

جالب کے نزدیک غربت کسی فرد کی ذاتی ناکامی نہیں بلکہ ایک ایسے معاشی نظام کا نتیجہ ہے جو وسائل کی منصفانہ تقسیم میں ناکام رہا ہے۔ یہ نقطۂ نظر مارکسی معاشی فکر سے گہری مطابقت رکھتا ہے۔

حبیب جالب کی شاعری کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ اس میں مزدور اور کسان کو صرف ہمدردی کا موضوع نہیں بنایا گیا بلکہ انہیں سماجی تبدیلی کی قوت قرار دیا گیا ہے۔ ان کی شاعری میں محنت کرنے والا انسان عزت، احترام اور تاریخ سازی کی صلاحیت رکھتا ہے۔ مارکس کے نزدیک بھی سماجی انقلاب کی اصل قوت محنت کش طبقہ ہے۔ جالب اسی تصور کو اپنے شعری استعاروں کے ذریعے پیش

کرتے ہیں۔ ان کی نظموں میں کارخانے، کھیت، مزدوری، بھوک، پسینہ اور روٹی صرف روزمرہ کے الفاظ نہیں بلکہ پورے معاشی نظام کی علامتیں بن جاتے ہیں۔ حبیب جالب کی فکر صرف داخلی استحصال تک محدود نہیں رہتی بلکہ وہ بیرونی سیاسی اور معاشی غلبے پر بھی تنقید کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک کوئی بھی قوم اس وقت تک حقیقی آزادی حاصل نہیں کر سکتی جب تک اس کی معیشت، سیاست اور ثقافت بیرونی طاقتوں کے زیرِ اثر ہوں۔ یہ تصور بھی مارکسی فکر سے ہم آہنگ ہے، جہاں سامراج کو سرمایہ داری کے عالمی پھیلاؤ کی ایک شکل سمجھا جاتا ہے۔

جالب قومی آزادی کو عوامی آزادی سے جدا نہیں کرتے بلکہ دونوں کو ایک دوسرے کی تکمیل قرار دیتے ہیں۔ اگرچہ حبیب جالب کی شاعری میں ظلم، جبر اور استحصال کی تصویریں نمایاں ہیں، لیکن ان کا مجموعی لہجہ مایوسی کا نہیں بلکہ امید کا ہے۔ وہ یقین رکھتے ہیں کہ عوامی شعور ایک دن ظلم کے نظام کو چیلنج کرے گا اور انصاف پر مبنی معاشرہ قائم ہو گا۔ یہ امید محض جذباتی آرزو نہیں بلکہ مارکسی تصورِ تاریخ سے قریب ہے، جس کے مطابق معاشرتی تضادات بالآخر ایک نئی سماجی تبدیلی کو جنم دیتے ہیں۔ اسی لیے جالب کی شاعری احتجاج کے ساتھ ساتھ مستقبل پر اعتماد بھی پیدا کرتی ہے۔

حبیب جالب کو صرف "سیاسی شاعر" قرار دینا ان کی شاعری کے ساتھ ناانصافی ہوگی۔ ان کی نظموں میں سیاست، معاشیات، سماجیات اور اخلاقیات ایک دوسرے سے جڑی ہوئی ہیں۔ ان کی مزاحمت کا مقصد اقتدار کی تبدیلی نہیں بلکہ ایسے معاشرے کی تشکیل ہے جہاں انسان کی عزت، معاشی انصاف، اظہارِ رائے کی آزادی اور سماجی مساوات کو بنیادی حیثیت حاصل ہو۔

اسی بنا پر ان کی شاعری اردو کی ترقی پسند روایت میں ایک منفرد مقام رکھتی ہے۔ انہوں نے نظریے کو محض فلسفیانہ بحث نہیں رہنے دیا بلکہ اسے عوام کی روزمرہ زندگی، دکھ، بھوک، بے روزگاری اور جدوجہد سے جوڑ دیا۔ یہی خصوصیت انہیں مارکسی رجحان رکھنے والے اردو نظم کے اہم ترین شعرا میں شامل کرتی ہے۔

حبیب جالب کی شاعری کا بنیادی وصف یہ ہے کہ وہ محض احتجاج کی شاعری نہیں بلکہ ایک ایسے فکری نظام کی نمائندگی کرتی ہے جس میں سماجی انصاف، معاشی مساوات، انسانی آزادی اور طبقاتی استحصال کے خلاف مزاحمت بنیادی اقدار کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کی متعدد نظمیں اگرچہ مختلف سیاسی حالات میں لکھی گئیں، لیکن ان کے اندر موجود فکری ڈھانچہ مارکسی ادبی تنقید کے کئی بنیادی اصولوں سے ہم آہنگ نظر آتا ہے۔ اس ضمن میں پروفیسر احتشام حسن لکھتے ہیں:

"جس چیز نے انہیں اس سے بچایا وہ ان کا مارکسیزم کا مطالعہ اس پر یقین اور اس کی روشنی میں طبقاتی جدوجہد میں محنت کش عوام کے ساتھ ہو کر اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو نیا شعور بخشنے کی کوشش کی تھی"(17)

حبیب جالب ایک ایسے معاشرے کی نمائندگی کرتے ہیں جہاں غربت، بھوک، محرومی اور طبقاتی تقسیم نے انسانی زندگی کو بے رنگ بنادیا ہے۔ چاند، جو روایتی شاعری میں حسن، امید اور سکون کی علامت ہے، یہاں ایک تلخ سماجی حقیقت کے مقابل رکھ دیا جاتا ہے۔ مارکسی نقطۂ نظر سے یہ نظم اس تضاد کو نمایاں کرتی ہے جو دولت مند اور محروم طبقات کے درمیان موجود ہے۔ شاعر یہ احساس دلاتا ہے کہ جب تک معاشی انصاف قائم نہیں ہوتا، حسن اور جمال کے روایتی تصورات بھی اپنی معنویت کھو دیتے ہیں۔

حوالہ جات

1-حبیب جالب، 2005، کلیات حبیب جالب، لاہور، ماورا پبلشرز، ص129

2-ایضاً، ص131

3-ایضاً، ص133

4-کارل مارکس،، 2025 "داس کیپیٹل" مترجم، بطریس رضا، فکشن ہاؤس، لاہور، ص357

5--حبیب جالب، 2005، کلیات حبیب جالب، لاہور، ماورا پبلشرز، ص120

6-ایضاً، ص170

7-ایضاً، ص112

8-ایضاً، ص115

9-ایضاً، ص323

10-ایضاً، ص158

11-ایضاً، ص166

12-شاہد شیدائی،، 1994، "روبہ برو" دہلی، مشمولہ، "عالمی اردو ادب" مدیر، نند کشور وکرم، پبلشرز اینڈ ایڈورٹائزرز جے کرشن نگر، ص51

13-فارغ بخاری، 1994، "ایک سچا عوامی شاعر حبیب جالب"، دہلی، مشمولہ، "عالمی اردو ادب" مدیر، نند کشور وکرم، جلد 9، پبلشرز اینڈ ایڈورٹائزرز جے کرشن نگر، ص

14-حبیب جالب، 2005، کلیات حبیب جالب، لاہور، ماورا پبلشرز، ص 129

15-عبدالقیوم شمسی، 2010، "ترقی پسند تحریک کی تاریخ" الہ اباد، رجان پبلی کیشنز، ص 293، 294

16-حبیب جالب، 2005، کلیات حبیب جالب، لاہور، ماورا پبلشرز، ص 305

17-احتشام حسین، پروفیسر "علی سردار جعفری رومان سے انقلاب تک، "بشمول علی سردار جعفری (شخص، شاعر اور ادیب)"، پونے حاجی غلام محمد اعظم ایجوکیشن ٹرسٹ، مرتب، عبدالستار دہلوی، پروفیسر، ص 141